رویت ہلال کا مسئلہ اور اس کا حل

مولانا شمس پیرزادہؒ

ادارہ دعوۃ القرآن

۹۵ر محمد علی روڈ ممبئی ۳۰۰۰۰۴

فون: ۵۰۰۵۶۴۳۲

دوسرا ایڈیشن: ۲۰۰۰ قیمت: ۸/روپئے

مارچ ۲۰۱۰ء Price: 8/-

فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر
عرض ناشر	۳
پیش لفظ	۵
کیا ایک مقام کی رویت دوسرے مقامات کیلئے معتبر نہیں؟	۶
اختلافات کو ختم کرنے کی صورت	۸
پوری دنیا میں ایک ہی دن عید منانے کی تجویز	۸
کیا جنتری کے نیومون کا اعتبار کیا جا سکتا ہے؟	۹
رویت کا اعتبار	۱۰
مطلع کے مسئلہ میں حقیقت پسندی	۱۲
ہندوستان کا مطلع ایک ہی ہے	۱۴
رویت کا مسئلہ خبر سے تعلق رکھتا ہے یا شہادت سے؟	۱۵
ٹیلیفون سے ملنے والی اطلاع	۱۸
ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعہ اعلان	۲۰
ہلال کمیٹیوں کے طریقہ کار میں تبدیلی کی ضرورت	۲۲
علم ہیئت کی رو سے ناقابلِ انکار حقیقتیں	۲۲
رویت کے سلسلہ میں اسلامی حکومتوں کے فیصلوں کی پابندی	۳۰
ہندوستان میں ایک مقام کی رویت کی خبر دوسرے مقامات کے لئے معتبر	۳۲

بسمہٖ تعالیٰ

عرض ناشر

ماہ تاباں جس طرح قمری مہینے کی ۷/اور ۲۱ تاریخ کو نصف روشن اور نصف دھندلا ہو جاتا ہے، اسی طرح ہلال کے مسئلہ میں امت مسلمہ بھی دو حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ ہم صبح صادق، زوال آفتاب اور غروب آفتاب کو گھڑیوں پر شمار کرتے ہیں لیکن ہلال کے نظر آنے کے روشن امکانات ہونے کے باوجود کہیں اگر چاند دکھائی دیتا ہے تو اس کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ اس کی زندہ مثال اس سال کا واقعہ ہے جب چاند پھٹ گیا اور مرکزی رویت ہلال کمیٹی جامع مسجد ممبئی سے ایک گروپ الگ ہو کر ایک نئی ہلال کمیٹی بنائی اب ہر ماہ دو دو کمیٹیوں کے اعلانات اخبارات میں چھپتے ہیں جو ایک تماشہ بن جاتا ہے۔

نومبر دسمبر ۱۹۹۷ مطابق رمضان ۱۴۱۸ھ کا واقعہ ہے۔ تھانہ ضلع بھیونڈی کے جہاں مسلمانوں کی کثیر آبادی ہے کچھ لوگوں نے ۲۹/شعبان کو چاند دیکھا تھا۔ چونکہ وہاں بہت سارے لوگوں نے چاند دیکھا تھا اس لئے وہ اس گمان میں رہے کہ عام رویت ہوئی ہوگی۔ لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ ممبئی میں ایک دن کی تاخیر سے رمضان شروع ہوا ہے۔ انہوں نے مرکزی رویت ہلال کمیٹی سے رجوع کیا۔ اس میں آدھا رمضان گذر چکا تھا۔ بہر حال ۱۷/رمضان کو انہیں جامع مسجد بلالیا گیا۔ تقریباً ۲۰ سے ۲۵/افراد آئے اور رویت ہلال کمیٹی کے سامنے پیش ہوئے۔ ممبئی کے ایک مشہور مولانا نے فرداً فرداً نام لکھے اور ہر ایک سے گواہی لی۔ پھر دریافت فرمایا۔ ان میں کوئی سنی بھی ہے، تو دو ایک لوگوں نے کہا ہم سنی ہیں اور فلاں مسجد سے ہمارا تعلق ہے۔ مسلمانوں کی یہ کتنی بدنصیبی ہے کہ اللہ نے ہمیں ''سمّٰکم المسلمین'' کے خطاب سے نوازا ہے اور ہم ہیں

کہ سنی اور غیر سنی کے فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ بہر حال دورانِ گفتگو انہیں مولانا نے فرمایا۔ اب تاریخ بدلنے سے انتشار ہوگا۔ راقم بھی رویت ہلال کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے شریک گفتگو تھا۔ عرض کیا مولانا اس میں انتشار کی کیا بات ہے۔ ہم سب مل کر مسلمانوں سے گزارش کریں کہ وہ عید بعد ایک روزہ کی قضا کریں۔ میری خوش قسمتی یا بدقسمتی میں اُنہیں کے بازو میں بیٹھا ہوا تھا۔ گرج دار آواز میں مجھ سے دریافت کیا آپ نے کتنی کتابیں پڑھی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں جاہل ہوں لیکن آپ جیسے علماء کی صحبت کا اثر ہے جو آپ کے پہلو میں بیٹھا ہوں۔ ہمارے ایک کرم فرما سامنے ہی بیٹھے تھے انہیں مولانا کا یہ سوال ناگوار گذرا۔ انہوں نے وہی سوال مولانا سے کیا، پھر کیا تھا مولانا اٹھے اور اپنی مادری زبان اردو کو چھوڑ کر فرنگی زبان میں ڈانٹ پلائی۔ who are you to ask me? اور اٹھ کر جانے لگے، تو میں نے مولانا کے ہاتھ تھام کر بیٹھنے کی گزارش کی لیکن۔ وہ چلے جھٹک کے دامن میرے دستِ ناتواں سے۔

اس واقعہ سے پہلے ایک کپتان صاحب نے رویت ہلال کے مسئلے پر میٹنگ بلائی تھی، جس میں مولانا شمس پیرزادہؒ کو بھی اظہارِ خیال کا موقع دیا گیا۔ مولانا نے یہی سب باتیں جو کتابچہ میں تحریر فرمائی ہیں پیش کیں۔ لیکن ہمارے علماء میں برداشت کی طاقت کہاں! ہڑبونگ مچ گئی اور میٹنگ برخاست ہوئی اور یہی کیفیت اب تک جاری ہے۔ سنجیدگی سے کسی مسئلے پر گفتگو کرنا ہی نہیں چاہتے اور فوراً اَنا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم کو ایک اور نیک بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

شہاب بانکوٹی
سکریٹری
دعوۃ القرآن۔ ممبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

یہ مقالہ، رویت ہلال کے مسئلہ پر ایک استفسار کے جواب میں لکھا گیا تھا، جو ماہنامہ نشاۃ ثانیہ (ممبئی) کے جون و جولائی ۱۹۸۷ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ اب اسے افادۂ عام کی غرض سے پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ نظر ثانی کے علاوہ اس میں نئے عنوانات قائم کر کے کافی اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

رویت ہلال کے مسئلہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اور کافی بحثیں بھی ہو چکی ہیں۔ مگر یہ مسئلہ کچھ ایسا الجھ کر رہ گیا ہے کہ مسلمانوں کا سنجیدہ طبقہ طرح طرح کے اشکالات محسوس کرتا ہے، اور ہلال کمیٹیوں کی کارکردگی سے مطمئن نظر نہیں آتا۔

اس پمفلٹ کا مقصد رویت سے متعلق اُبھرتے ہوئے سوالات کا جواب دینا اور قرآن وسنت کی روشنی میں عصر حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے مسائل کا حل تجویز کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے وہ تحقیق کی بنیاد پر ہے، ساتھ ہی احتیاط کو پوری طرح ملحوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، تاہم سہوِ قلم کے امکانات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ اگر وہ کوئی غلطی محسوس کریں تو راقم سطور کو متوجہ فرمائیں تا کہ اس پر نظر ثانی کی جا سکے۔

خدا کرے یہ پمفلٹ پیشِ نظر مقصد کیلئے مفید ثابت ہو اور ملت اسلامیہ کو ایک اہم مسئلہ کے حل کرنے میں مدد ملے۔

شمس پیرزادہ
چیئرمین ادارہ دعوۃ القرآن ممبئی

۲۶ رجب ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۶ مارچ ۱۹۸۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رویت ہلال کے مسئلہ نے اختلافات سے گزر کر باہمی نزاع کی شکل اختیار کر لی ہے، جو حد درجہ افسوسناک ہے۔ ایک اجتہادی مسئلہ میں ملت کا یہ انتشار، اس بات کی علامت ہے کہ وہ پیش آمدہ مسائل کو شریعتِ بیضاء کی روشنی میں حل کرنے میں ناکام ہے اور اجتہادی صلاحیت سے محروم ہے۔ درحقیقت اختلافات میں شدت اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ شریعت نے، رویت ہلال کے سلسلہ میں اجمالی احکام دیئے تھے۔ اور حالات پر ان کو منطبق کرنے کا کام اجتہاد پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ چنانچہ فقہائے کرام نے اپنے زمانہ کے حالات کے لحاظ سے اجتہاد اور تطبیق کا فریضہ انجام دیا۔ لیکن موجودہ زمانے کے حالات ذرائع ابلاغ کی ترقی، سائنس کی ایجادات اور جدید ٹکنولوجی کی وجہ سے بہت مختلف ہو گئے ہیں۔ اس لئے فقہاء کے یہ اجتہادات موجودہ حالات پر منطبق نہیں ہوتے۔ اور جب زبردستی ان کو منطبق کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، تو بعض مرتبہ ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے جو نہ شریعت کے عام مزاج سے مناسبت رکھنے والی ہوتی ہے اور نہ اسے عقل عام (Common Sense) قبول کرتی ہے۔

کیا ایک مقام کی رویت دُوسرے مقامات کیلئے معتبر نہیں؟

اس کی مثال فقہاء کا یہ قول ہے کہ: لکل بلد رویتہ "ہر بلد کیلئے وہاں کے لوگوں کی رویت ہے۔" یہ قول قرآن وسنت کی کسی نص پر مبنی نہیں ہے، بلکہ رویت کے شرعی حکم کے انطباق (Application) کی ایک صورت تھی جو فقہاء نے نکالی تھی۔ اور یہ اس لحاظ سے صحیح تھی کہ ایک مقام کی رویت کی اطلاع دور دراز کے مقامات تک بروقت نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ایسی صورت میں دور کے مقامات کی رویت کو لازم قرار دینے کے معنی

لوگوں کے لئے مشکلات پیدا کرنے کے تھے۔لیکن موجودہ زمانہ میں تو کوئی فاصلہ، فاصلہ نہیں رہا۔خبر رسانی کے ایسے ذرائع ہوگئے ہیں کہ منٹوں میں ایک ملک کی خبر دوسرے ملک میں پہنچ جاتی ہے۔اس لئے ''ہر مقام کیلئے وہاں کے لوگوں کی رویت'' والا فارمولا آوٹ آف ڈیٹ ہوچکا ہے۔ویسے بھی ایک مقام کی رویت اسی مقام کیلئے معتبر ہونے کے اصول پر علماء وفقہاء کا اتفاق نہیں ہے۔چنانچہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں علماء کے مختلف اقوال نقل کئے ہیں، جن میں ایک قول یہ ہے کہ جب ایک شہر میں رویت ہوجائے تو تمام شہروں کے لئے اس کا حکم لازم ہوجاتا ہے۔مالکیہ کے نزدیک مشہور قول یہی ہے۔(ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۴ ص ۸۹)

اور جو لوگ رویت ہلال کیلئے قصر کے بقدر مسافت یا علاقہ کی تحدید کرتے ہیں، ان کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

''یہ دونوں قول ضعیف ہیں، کیونکہ مسافتِ قصر کا ہلال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔رہے ممالک تو ان کی کیا حد؟ پھر یہ دونوں باتیں دو وجوہ سے غلط ہیں۔ایک یہ کہ رویت مشرق ومغرب کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔اگر مشرق میں رویت ہوئی تو مغرب میں لازماً ہونی چاہیے، لیکن اس کے برعکس صورت نہیں ہوسکتی۔کیونکہ مشرق کی بہ نسبت مغرب میں غروب آفتاب تاخیر سے ہوتا ہے۔اور اس لئے بھی کہ حج کے ہلال کے بارے میں مسلمان باہر سے آنے والے حجاج کی رویت کو قبول کرتے رہے ہیں، اگرچہ قصر کی مسافت سے زیادہ دوری پر ہلال دکھائی دیا ہو۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ہم مسافت قصر کا یا ممالک کا اعتبار کریں، تو جو شخص مسافت یا ملک کی سرحد پر ہوگا اس کے لئے تو روزہ رکھنا، روزہ چھوڑ دینا (عید منانا) اور قربانی کرنا لازم ہوگا۔اور دوسرا شخص جس کے اور پہلے شخص کے درمیان بس تیر کے نشانہ کے بقدر فاصلہ ہوگا، وہ ان میں سے کوئی چیز بھی نہ

کرسکے گا۔اور یہ ایک ایسی بات ہے جو مسلمانوں کے دین میں سے نہیں ہے۔(مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۵ ص ۱۰۴، ۱۰۵)

اور شوکانی لکھتے ہیں:

''جس بات پر اعتبار کیا جانا چاہیئے وہ وہی ہے جو مالکیہ نے اختیار کی ہے۔اور قرطبی نے اپنے شیوخ سے نقل کی ہے کہ جب ایک بلد کے لوگ ہلال دیکھ لیں، تو تمام اہل بلاد پر اس کا حکم لازم ہوجاتا ہے۔(تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی ج ۳ ص ۹۸۳)

اختلافات کو ختم کرنے کی صورت

قرآن میں اہلِ ایمان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب کوئی مسئلہ نزاعی صورت اختیار کر جائے تو اس کو ختم کرنے کیلئے کتاب وسنت کی طرف رجوع کریں:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ (سورہ نساء۔۵۹)

''اگر تمہارے درمیان کسی بات میں نزاع (اختلاف) ہوجائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔

اس لئے اس نزاعی مسئلہ کا حل یہ ہے کہ فقہی اقوال پر اصرار کرنے کے بجائے کتاب وسنت کے احکام کو اجتہادی بصیرت کے ساتھ، حالات حاضرہ پر منطبق کرنے کی کوشش کی جائے۔یہ کوشش اجتماعی شکل میں ہونا چاہیئے۔اس سلسلہ میں مختلف مسلکوں کے فقہاء کی آراء سے استفادہ تو ضرور کیا جائے، لیکن کسی کی فقہی رائے کو پتھر کی لکیر نہ سمجھا جائے اور نہ کسی مسلک کا اپنے کو پابند بنالیا جائے، کیونکہ حق کسی مسلک کے اندر محصور نہیں ہے۔

پوری دنیا میں ایک ہی دن عید منانے کی تجویز

یہ تو تصویر کا ایک رخ تھا۔اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ہمارا جدید طبقہ جو قرآن وسنت کا

براہِ راست علم نہیں رکھتا، اور شرعی احکام سے کم ہی آشنا ہے، رویت ہلال کے مسئلہ میں تجدد پسندی اختیار کرنا چاہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ پوری دنیا میں ایک ہی دن عید منائی جانی چاہیئے اور یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ دنیا کے ایک حصہ میں، جب نماز عید ادا کی جارہی ہوگی تو دوسرے حصہ میں سورج غروب ہورہا ہوگا۔ لہٰذا یہ کس طرح ممکن ہے کہ مشرقی ممالک اور مغربی ممالک میں عید ایک ہی دن منائی جائے؟

کیا جنتری کے نیومون کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

ایک رجحان یہ بھی پایا جاتا ہے کہ علم الافلاک (Astronomy) کے صحیح ترین (Accurate) حساب کے پیشِ نظر رویت کے بجائے چاند کے نئے چکر کے آغاز کا اعتبار کیا جائے، جسے اصطلاحاً نیومون (New Moon) کہتے ہیں۔ یہ بھی قلتِ فکر کا نتیجہ ہے، کیونکہ اس صورت میں مزید مسائل پیدا ہوں گے۔ فلکیاتی نیومون کے اوقات مختلف ہوتے ہیں۔ کسی مہینہ میں تو وہ صبح وجود میں آجاتا ہے اور کسی مہینہ میں آدھی شب کو، کبھی دوپہر میں تو کبھی فجر سے پہلے۔ فرض کیجئے کہ نیومون کا وقوع آسمان پر شب دو بجے ہوا تو تاریخ کا آغاز کس وقت سے ہوگا؟ دو بجے سے پہلے ۲۹ تاریخ قرار دینا ہوگی اور دو بجے کے بعد آئندہ ماہ کی یکم اور اگر صبح دس بجے نیومون ہوا تو دس بجے تک ۳۰ تاریخ اور دس کے بعد یکم۔ گویا عید کی نماز بھی دس بجے کے بعد ادا کرنا ہوگی کیونکہ دس بجے سے پہلے تو یکم شوال ہوئی ہی نہیں تھی۔ اس کے برخلاف اسلام میں نئی تاریخ کا آغاز غروب آفتاب کے بعد ہوتا ہے۔ ہلال بالعموم مغرب کے بعد یا مغرب سے کچھ پہلے دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے تاریخ کے آغاز میں کوئی اشکال پیش نہیں آتا۔ مگر جنتری کے نیومون کو معیار قرار دینے کی صورت میں یہ نظام بالکل بدل جائے

گا۔ اس لئے اس کے جواز کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ پھر نیومون کو معیار قرار دیکر دنیا بھر میں عید ایک ہی دن منانے کی تجویز بھی قابل عمل نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا کے ایک حصہ میں اگر دن ہوگا تو دوسرے حصہ میں رات۔ اور اصولی بات یہ کہ شریعت نے عبادات کے اوقات کی تعیین کا ذریعہ آسمان پر ظاہر ہونے والے آثار کو بنایا ہے، جس کا انسان بہ آسانی مشاہدہ کرلیتا ہے۔ رویت ہلال بھی ان ہی آثار میں سے ہے، جب کہ نیومون نہ آثار میں سے ہے اور نہ مشاہدہ میں آنے والی چیز۔ کہا جاسکتا ہے کہ پھر نماز کے اوقات کی تعین کیلئے جنتری کیوں استعمال کی جاتی ہے؟ تو یہ اس لئے کہ آثار میں اور ان حسابات میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب تک ہلال دکھائی نہ دے آسمان پر ظاہر ہونے والے وہ کون سے آثار ہیں، جو شرعاً معیار قرار پائیں گے اور جس سے جنتری کے اوقات کی مطابقت تلاش کی جائے گی؟ رابطہ کی مجلس المجمع الفقہی الاسلامی نے بھی اپنی قرارداد میں اثبات ہلال کیلئے رویت ہی کو معتبر قرار دیا ہے۔ اور فلکی حساب کو غیر معتبر۔ (ملاحظہ ہو قرارات مجلس المجمع الفقہی الاسلامی ص ۶۶)

رویت کا اعتبار

افراط وتفریط کی ان صورتوں کے درمیان اعتدال کی راہ یہ ہے کہ مہینہ کے آغاز کیلئے جنتری کے نئے چاند (New Moon) کا نہیں بلکہ ہلال کا جو آسمان پر ظاہر ہوتا ہے اور دکھائی دیتا ہے، اعتبار کیا جائے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔

يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔ (بقرہ۹۲)

"لوگ تم سے ہلال کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو: یہ لوگوں کے لئے تاریخوں کی تعیین اور (خاص طور سے) حج کی تاریخوں کی تعیین کا ذریعہ ہے"۔

ہلال، عربی میں چاند کی اس ابتدائی شکل کو کہتے ہیں جو آسمان پر دکھائی دیتی ہے۔ فلکی چاند جو دکھائی نہیں دیتا، اس کو ہلال نہیں کہتے۔ اس کا اصطلاحی نام نیومون (New Moon) ہے لہٰذا قرآن نے تاریخ کی تعیین کا ذریعہ جس چیز کو قرار دیا ہے وہ دکھائی دینے والا ہلال ہے نہ کہ فلکی یا حسابی چاند۔

اور حدیث میں رویتِ ہلال یعنی چاند کے دکھائی دینے ہی کو معتبر قرار دیا گیا ہے نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

صُومُوا لِرُؤيَتِهِ وَافْطِرُوا لِرُؤيَتِهِ فَاِنْ غُبِّيَ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِيْنَ۔ (بخاری کتاب الصوم)

"ہلال دیکھ کر روزہ رکھو اور ہلال دیکھ کر روزہ موقوف کرو۔ اگر ہلال تم سے پوشیدہ رہ جائے تو شعبان کے تیس دن کی گنتی پوری کرلو۔"

دوسری روایت میں ہے: **عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ ذَكَرَ رَمَضَانَ فَقَالَ: لَاتَصُومُوا حَتّٰى تَرَوْهُ الْهِلَالَ وَلَاتُفْطِرُوا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ اُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ۔** (مسلم کتاب الصیام)

"نبی ﷺ نے رمضان کا ذکر کیا اور فرمایا: روزہ نہ رکھو جب تک کہ ہلال نہ دیکھ لو اور نہ روزہ موقوف کرو جب تک کہ اس کو دیکھ نہ لو۔ اگر ابر حائل ہوجائے تو حساب لگالو (یعنی تیس دن شمار کرلو)۔"

یہ اور اس قسم کی دوسری حدیثیں اس باب میں صریح ہیں کہ شریعت میں مہینہ کیلئے اعتبار رویت ہلال کا ہے۔ اگر انتیس تاریخ کو ہلال نظر نہ آئے تو مہینہ تیس دن کا شمار کرلیا جائے۔

حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ چاند کے اُفق پر موجود ہونے کا شرعاً اعتبار نہیں

ہے، بلکہ اعتبار اس کی رویت یعنی دکھائی دینے کا ہے۔ اور ابن رشد لکھتے ہیں کہ اس بات پر علماء کا اجماع ہے۔

"علماء اس بات پر متفق ہیں کہ عربی مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے اور تیس دن کا بھی۔ نیز اس بات پر کہ ماہ رمضان کی تحدید کے لئے اعتبار رویت کا ہے۔"

(بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۷۴)

مطلع کے مسئلہ میں حقیقت پسندی

رویت کے اس حکم کی جو حدیث میں دیا گیا ہے، مخاطب ملتِ اسلامیہ ہے۔ اور اس میں مقام کی کوئی قید بیان نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ایک مقام کی رویت کو اسی مقام کیلئے محدود مانا جائے، بلکہ یہ حکم دوسرے مقامات کیلئے بھی ہوگا، الا یہ کہ وہ مقام اتنی دوری پر ہو کہ ان دو مقامات کے درمیان تاریخ کا فرق ہمیشہ واقع ہوتا ہو۔ کیونکہ اس صورت میں دونوں کے درمیان چاند کا زاویہ مختلف ہوگا۔ یا یہ کہ ایک مقام کی رویت کی اطلاع دوسرے مقام تک پہنچ نہ سکے۔ ان استثنائی صورتوں کی معقولیت بالکل واضح ہے۔

اگرچہ علماء اور فقہاء کی آراء اختلاف مطالع کے سلسلہ میں مختلف رہی ہیں، جس کی تفصیل **اَلْعَذْبُ الزُّلَال فی مباحث رویۃِ الہلال** میں دیکھی جاسکتی ہے۔ (عربی میں یہ رویت ہلال کے مسئلہ میں ایک مبسوط کتاب ہے اور جسے قطر کے **الشؤن الدینیہ** نے شائع کیا ہے) لیکن اس مسئلہ میں توسع اختیار کرنے کیلئے کافی گنجائش موجود ہے۔ چنانچہ فقہ السنۃ کے مؤلف لکھتے ہیں:

"جمہور کی رائے یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے، لہٰذا جب ایک شہر

کے لوگوں نے ہلال دیکھ لیا تو تمام شہروں پر روزہ واجب ہوگیا، اس ارشادِ رسول کی بنا پر کہ ہلال دیکھ کر روزہ رکھو اور ہلال دیکھ کر روزہ موقوف کرو۔"

آپ کا یہ خطاب پوری اُمت کیلئے عام ہے۔ جس شخص نے بھی جس جگہ چاند دیکھ لیا سب کیلئے رُویت ہوگئی۔ (فقہ السنہ تالیف السید سابق ج ۱ ص ۴۳۶) اور مجلس تحقیقات شرعیہ (ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے اپنے اجلاس منعقدہ ۳ مئی ۱۹۶۷ء میں ایک تجویز منظور کی تھی، جس میں بلاد قریبہ کیلئے رویت کو معتبر قرار دیا گیا:

"محققین" فقہاء احناف اور علماء امت کی تصریحات اور ان کے دلائل کی روشنی میں مجلس کی متفقہ رائے ہے کہ بلاد بعیدہ میں اس باب میں بھی اختلاف مطالع معتبر ہے، البتہ بلاد قریبہ میں اس کا اعتبار نہیں ہے۔ بلاد بعیدہ سے مراد یہ کہ ان میں باہم اس قدر دوری ہے کہ عادۃً ان کی رویت میں ایک دن کا فرق ہوتا ہے۔ ایک شہر میں ایک دن چاند نظر آتا ہے اور دوسرے میں ایک دن۔ ان بلاد بعیدہ میں اگر ایک کی رویت دوسرے کے لئے لازم کردی جائے تو مہینہ کسی جگہ ۲۸ دن کا رہ جائے گا اور کسی جگہ ۳۱ دن کا قرار پائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔"

جو لوگ توسع کے قائل نہیں ہیں، وہ قریب کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، جو صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ اور جس میں بیان ہوا کہ شام میں جمعہ کو چاند دیکھا گیا اور امیر معاویہ اور اہل شام نے سنیچر کے دن روزہ رکھا۔ لیکن مدینہ میں اس روز چاند نہیں دیکھا گیا تھا، اس لئے وہاں اتوار سے رمضان شروع ہوا۔ قریب رمضان ہی میں مدینہ پہنچے اور انہوں نے شام میں انتیس کا چاند ہونے کی اطلاع حضرت عبداللہ بن عباس کو دی لیکن اُنہوں نے اس اطلاع پر کوئی کارروائی نہیں کی، بلکہ اپنا عمل جاری رکھا۔ یہ بات اس وقت کے حالات کے لحاظ سے صحیح تھی، کیونکہ شام کے چاند کی اطلاع مدینہ

بروقت نہیں پہنچ سکتی تھی۔ یہ فاصلہ طے کرنے میں کئی دن لگ جاتے۔ ایسی صورت میں رمضان کا آغاز یا عید اپنے اپنے مقام کا یا قرب وجوار کے چاند کا اعتبار کرکے ہی منائی جاسکتی تھی۔ لیکن اس طریقہ کو موجودہ دور میں بھی اختیار کرنے پر اصرار کرنا جب کہ یہ کوئی نصی حکم نہیں ہے حالات سے آنکھیں بند کرلینے کے مترادف ہے۔

سائنس اور ٹکنولوجی کی ترقی حالات میں بہت بڑے انقلاب کا باعث ہوئی ہے۔ بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر توسع ناگزیر ہے اور اس کیلئے اجتہاد ضروری ہے۔

ہندوستان کا مطلع ایک ہی ہے

ہندوستان میں عام طور سے تاریخیں یکساں رہتی ہیں۔ البتہ رمضان اور شوال کے چاند کے سلسلہ میں ملک کے ایک حصہ اور دوسرے حصہ کے درمیان اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ لیکن چونکہ عام طور سے یکسانیت پائی جاتی ہے، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ پورے ملک کیلئے ایک مطلع کا حکم نہ لگایا جائے۔ اور مجلس تحقیقات شرعیہ (لکھنؤ) نے واضح طور سے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ایک ملک کے جس گوشہ میں بھی چاند دیکھا جائے وہ پورے ملک کیلئے معتبر ہوگا:

"ہندوستان و پاکستان کے بیشتر حصوں اور بعض قریبی ملکوں مثلاً: نیپال وغیرہ کا مطلع ایک ہے۔ علماء ہندو پاک کا عمل ہمیشہ اسی پر رہا ہے اور غالباً تجربہ سے بھی یہی ثابت ہے۔ ان ملکوں کے شہروں میں اس قدر بُعد مسافت نہیں ہے کہ مہینہ میں ایک دن کا فرق پڑتا ہو۔ اس بنیاد پر ان دونوں ملکوں میں جہاں بھی چاند دیکھا جائے شرعی ثبوت کے بعد اس کا ماننا، ان دونوں ملکوں کے تمام اہلِ شہر پر لازم ہوگا۔"

یہ رائے حدیث "چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ موقوف کرو۔" کے عین

مطابق ہے، کیونکہ اس حکم میں مقام اور فاصلہ کی کوئی قید نہیں ہے۔

ہم اس بات سے بھی صرف نظر نہیں کر سکتے کہ سعودی عربیہ کے کسی ایک گوشہ میں اگر رویت ثابت ہوتی ہے، تو اس کو پورے ملک کیلئے معتبر مانا جاتا ہے۔ اور حج کے دن کا تعین اسی کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر چاند نجد (ریاض) میں یا ظہران میں دکھائی دیتا ہے تو مکہ کیلئے وہ معتبر ہوتا ہے، جب کہ ان کے درمیان فاصلہ ۱۰۰۰ تا ۱۵۰۰ کیلومیٹر ہے۔ اور پھر سعودی عربیہ ہی کے چاند پر خلیجی ممالک اعتبار کرتے ہیں، اور اسی کے مطابق ان کے ہاں رمضان کا آغاز و اختتام ہوتا ہے۔ اس سے کم از کم یہ اندازہ تو ہو ہی جاتا ہے کہ ہندوستان میں رویت ہلال کے مسئلہ پر، جو شدت پائی جاتی ہے وہ ان مسلم ممالک میں نہیں پائی جاتی۔ بہر کیف ہندوستان کے کسی ایک مقام پر رویت ثابت ہو جاتی ہے، تو اس رویت کو پورے ملک کیلئے تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ عید ہی کے لئے نہیں رمضان کے آغاز کیلئے یہی طریقہ اختیار کیا جانا چاہیئے۔

رویت کا مسئلہ خبر سے تعلق رکھتا ہے یا شہادت سے؟

عام طور سے رویت ہلال کے مسئلہ کو شہادت کا مسئلہ سمجھا جاتا ہے نہ کہ خبر کا۔ اسی بنا پر ایک شہر کی رویت کو اگر چہ وہاں عام رویت ہوئی ہو اور اس کی اطلاع با وثوق ذریعہ سے مل رہی ہو، دوسرے مقام یا علاقہ کیلئے قبول نہیں کیا جاتا، حالانکہ اس مسئلہ کو شہادت کا مسئلہ قرار دینے کیلئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ جن احادیث وروایات میں رویت کے سلسلہ میں شہادت کا لفظ استعمال ہوا ہے، وہ شہادت کے وسیع تر مفہوم میں استعمال ہوا ہے نہ کہ عدالتی نوعیت کی شہادت کے معنی میں۔ اصطلاحی شہادت ان امور میں ہوتی ہے، جو نزاعی نوعیت کے ہوں یا حقوق کے سلسلہ میں کوئی شخص کسی کے خلاف دعویٰ

کر سکتا ہو۔ اور جن کا فیصلہ کرنا عدالت کا کام ہو۔

نبی ﷺ سے حدیث بیان کرنا نہایت نازک ذمہ داری کا کام ہے۔ لیکن محدثین نے اس کو شہادت کا مسئلہ نہیں بنایا، بلکہ خبر قرار دیکر راوی کے ثقہ اور عادل ہونے کے شرط لگائی۔ اگر وہ اسے شہادت کا مسئلہ بناتے تو ہر راوی کو قاضی کی عدالت میں حاضر ہو کر گواہی دینا پڑتی، نیز خبر واحد (ایک مرد یا ایک عورت کی روایت) کے قابل قبول ہونے نہ ہونے کا مسئلہ بھی پیدا ہو جاتا۔ اور جب حدیث کا مسئلہ شہادت کا مسئلہ نہیں ہے تو پھر چاند کے مسئلہ کو شہادت کا مسئلہ کیوں قرار دیا جائے؟ غرضیکہ رویت کے مسئلہ کو عدالتی طرز کی شہادت سے جوڑنے اور اس کے تمام قواعد کا اس پر اطلاق کرنے کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رویت کے مسئلہ میں خبر مستفیض (مشہور) کو قبول کیا جاتا ہے، جب کہ خبر مشہور کی بنا پر عدالت مجرم کو سزا نہیں دے سکتی، تاوقتیکہ عینی شاہد عدالت میں حاضر ہو کر گواہی نہ دیں۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ کتنے ہی دینی معاملات میں خبر کو قبول کیا جاتا ہے، اگر وہ کسی معتبر ذریعہ سے ملی ہو یا قرائن سے اس کی تائید ہوتی ہو مثلاً: قبلہ کی سمت معلوم کرنے کیلئے ایک مسلمان کے بیان کو کافی سمجھا جاتا ہے اور اس کی بتلائی ہوئی سمت کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ رویت ہلال کے سلسلہ میں ہر شخص کی بات کا اعتبار کیا جائے۔ خواہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ ایسی بات کیسے کہی جاسکتی ہے۔

جب کہ قرآن کا صریح حکم ہے:

اِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا۔ (سورۂ حجرات : ۶)

”اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے آئے تو تحقیق کرلو۔“

اس لئے یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ جو شخص یہ خبر دے رہا ہے کہ اس نے چاند دیکھا ہے،

وہ اس دینی معاملہ میں قابل اعتماد ہے یا نہیں، نیز یہ کہ قرآئن اس کے بیان کے خلاف تو نہیں ہیں ۔ موجودہ زمانہ میں جب کہ جھوٹ عام ہوگیا ہے کسی کے بیان کو قبول کرنے کے معاملہ میں احتیاط ضروری ہے ۔لیکن اس احتیاط کو اتنا شدید بنادینا کہ سراسر تکلف معلوم ہو اور جس کی وجہ سے چاند کا مسئلہ الجھ کر رہ جائے صحیح نہیں ۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

’’اور اس زمانہ میں جبکہ فسق کی بہت سی صورتیں مثلاً: ڈاڑھی منڈانا وغیرہ ایسی عام ہوگئیں کہ ان کی وجہ سے مطلقاً شہادت کو رد کردیا جائے، تو بہت سے معاملات کا ثبوت کسی طرح بہم نہ پہنچے گا۔(رویت ہلال مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ص ۴۷)

رویت ہلال کے ثبوت کیلئے اصطلاحی شہادت کے ضروری نہ ہونے کے بارے میں مولانا محمد منظور نعمانی صاحب لکھتے ہیں۔

’’اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ رویت ہلال کی اطلاع اصطلاحی شہادت نہیں ہے۔ اور اس کے وہ شرائط نہیں ہیں جو قاضی کی عدالت میں شہادت کے ہیں، بلکہ وہ خبر ہے۔ اور اس کیلئے شرعی قاضی یا عالم دین ومفتی کا غلبہ ظن کافی ہے۔ فقہائے کرام نے ان دونوں باتوں کی تصریح فرمائی ہے۔‘‘

اس سلسلہ میں موصوف نے مولانا تھانوی کا فتویٰ بھی نقل کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

’’جن احکام میں حجاب مانع قبول ہے اس میں (ٹیلیفون کا واسطہ غیر معتبر ہے اور جن میں حجاب مانع قبول نہیں ہے، ان میں اگر قرائن قویہ سے متکلم کی تعیین ہوجائے (کہ فلاں شخص ہی بول رہا ہے) تو معتبر ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۷۸)

اس فتوے کو نقل کرکے مولانا نعمانی فرماتے ہیں:

’’حضرت حکیم الامتؒ کے اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ رویت ہلال کے ثبوت کی

خبر وہ شہادت نہیں ہے، جس کے لئے شاہد کا سامنے موجود ہونا ضروری ہوتا ہے، بلکہ یہ ایک خالص دینی معاملہ کی خبر اور اطلاع ہے۔ اس کے معتبر اور قابل قبول ہونے کیلئے خبر دینے والے کا سامنے ہونا ضروری نہیں۔ لہٰذا سوال میں جس خبر کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے وہ معتبر ہے اور اس پر عمل کیا جائے گا۔‘‘ (الفرقان شمارہ اپریل ۱۹۷۸ء)

ٹیلیفون سے ملنے والی اطلاع

جس مقام پر رویت ثابت ہوجائے، اس کی اطلاع مقامی رویت ہلال کمیٹی کے ذمہ داران دوسرے مقامات کی کمیٹیوں کو بذریعہ ٹیلیفون دے سکتے ہیں۔ ٹیلیفون کی اطلاع کو قبول کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے، جب کہ آواز پہچان لی جائے، یا ادھر سے ٹیلیفون کرکے اس کی تصدیق کرالی جائے۔ کتنے ہی معاملات ٹیلیفون کے ذریعے طے پاتے ہیں۔ اور دینی معاملات میں بھی ٹیلیفون کی اطلاع کو جب کہ اس کے غلط ہونے کا کوئی قرینہ نہ ہو، تسلیم کرلیا جاتا ہے مثلاً: ایک عورت کو جب اپنے شوہر کے انتقال کی خبر ٹیلیفون کے ذریعہ ملتی ہے تو وہ عدت گذارنے لگتی ہے۔ اسی طرح ایک باپ بچہ کے ولادت کی اطلاع جو اسے ٹیلیفون کے ذریعہ مل گئی ہو قبول کرتا ہے۔ اور بچے کا نسب اپنے سے جوڑتا ہے۔ مگر چاند کی فقہ مرتب کرنے والے ایسے متشدد واقع ہوئے ہیں کہ ٹیلیفون کی اطلاع کو قابل قبول نہیں سمجھتے، حالانکہ اس طرف سے ٹیلیفون کرکے اس کی تصدیق بہ آسانی کرائی جاسکتی ہے۔ ان حضرات کا یہ کہنا کہ ٹیلیفون پر شہادت قبول نہیں کی جاسکتی مغالطہ آمیز بات ہے ۔ اول تو جیسا کہ ہم اوپر بیان کرآئے ہیں، رویت ہلال کا مسئلہ شہادت کے دائرہ میں نہیں بلکہ خبر کے دائرہ میں آتا ہے ۔ دوسرے یہ کہ جس مقام پر کسی رویت ہلال کمیٹی نے شہادتوں کی بنا پر رویت کا اعلان

کر دیا ہو، اس کی خبر کو دوسروں تک پہنچانے کیلئے شہادت کے اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اعلان، اظہار اور ابلاغ کے ذرائع کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اگر ایک چاند کمیٹی کے فیصلہ کو مقامی لوگوں تک پہنچانے کے لئے ٹیلیفون اور دیگر ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں اور ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ تو دوسرے مقامات کے لوگوں کو ٹیلیفون کے ذریعہ اس فیصلہ کی اطلاع دینے اور ان کے اس خبر کو قبول کرنے میں کیا چیز مانع ہے؟ جب ایک جگہ رویت ثابت ہوئی تو اس کی خبر کے لئے کسی بھی قابل اعتماد ذریعہ کا ہونا کافی ہے۔

ٹیلیفون کی اطلاع کا اعتبار کرنے کے بارے میں مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں:

’’اسی طرح ایک شہر کے کوئی عالم دین دوسرے شہر کے عالم دین کو رویت ہلال کے ثبوت کی اطلاع ٹیلیفون سے دیں، اور دونوں حضرات ایک دوسرے کی آواز کو پہچانتے ہوں اور اس میں کوئی شک شبہ نہ ہو، ٹیلیفون کی اس اطلاع کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔ اور جن عالم دین کو ٹیلیفون سے اطلاع دی گئی ہے ان کے لئے درست ہوگا کہ وہ رویت ہلال کے ثبوت کا اعلان کرادیں۔‘‘

لہٰذا اگر ہندوستان کے چند بڑے شہروں کی رویت ہلال کمیٹیاں ایک دوسرے سے رابطہ رکھنے کا فیصلہ کرلیتی ہیں، تو مسئلہ کے حل کی یہ صورت نکل سکتی ہے کہ ایک شہر کی کمیٹی رویت ثابت ہوجانے پر دوسرے بڑے شہروں کی ہلال کمیٹیوں کو اس کی اطلاع ٹیلیفون کے ذریعہ دے۔ اور اس اطلاع کو یہ کمیٹیاں قابل قبول قرار دیں، اگر اطمینان کے لئے ضروری ہو تو اس طرف سے ٹیلیفون کر کے تصدیق کرالیں اور اس کے بعد چاند کے ہوجانے کا اعلان کردیں۔ اس طرح رمضان اور شوال کے چاند کے بارے میں اختلافات کی وہ شدت ختم ہوجائے گی جو سامنے آتی رہتی ہے۔ فی الحال تو یہ کمیٹیاں افسوس ہے کہ اس کے سوا اپنی کوئی ذمہ داری محسوس نہیں کرتیں کہ جس شخص نے چاند

دیکھا ہو، وہ خود ان کی مجلس میں حاضر ہوکر شہادت دے تو وہ اس شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کریں۔ رہا کسی دوسرے شہر کی ہلال کمیٹی سے ربط پیدا کر کے صورت حال معلوم کرنا، یا اپنے مقام کی رویت کی اطلاع اسے دینا، تو وہ اس کی ضرورت محسوس ہی نہیں کرتیں۔ اسی وجہ سے مسائل پیدا ہورہے ہیں، اور ہلال کمیٹیاں بے اثر ہوکر رہ گئی ہیں۔

ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعہ اعلان

ہلال کمیٹیوں کی طرف سے رویت کا اعلان ریڈیو اور ٹیلیویژن پر بھی کیا جانا چاہیئے۔ اس اعلان کو قبول کرنے میں شرعاً کوئی چیز مانع نہیں ہے، اِلا یہ کہ قرائن اس کے خلاف ہوں۔ ایسی صورت میں اس کی تصدیق ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعہ کرالینا چاہیئے۔ ریڈیو اور ٹیلیویژن کی خبروں پر دینی معاملات میں بھی اعتماد کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جب کسی عالم دینی کے انتقال کی خبر ریڈیو یا ٹیلیویژن نشر کرتا ہے تو اس پر اعتماد کر کے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ پھر چاند ہی ایسا کون سا مسئلہ ہے جس کے لئے سب سے نرالے اور سب سے زیادہ شدید قواعد وضع کئے جائیں؟

العذب الزلال کے مؤلف الحاج محمد عبدالوہاب اُندلسی فرماتے ہیں:

فقد تبین بهذا ان وسائل التبلیغ، کالتلیفون والتلغراف، والرادیو وغیرها، یعمل بها فی نقل ثبوت رؤیة الهلال ولکن بشرط عدم البعد جدًا۔ (العذب الزلال ص ۱۷۳)

’’اس سے واضح ہوا کہ ذرائع ابلاغ مثلاً ٹیلیفون، ٹیلیگراف، ریڈیو وغیرہ کو رویت ہلال کے ثبوت کی خبر کو منتقل کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ بہت زیادہ دوری نہ ہو۔‘‘ ریڈیو کی خبر کے بارے میں مولانا محمد منظور نعمانی صاحب لکھتے ہیں:

"رویت ہلال کے بارے میں ریڈیو کی خبر یا ٹیلی فون سے ملنے والی اطلاع، نہ ہر صورت میں قابل قبول ہے اور نہ ہر صورت میں قابل رد، اور نہ نا قابل اعتبار ہے، بلکہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ جس ریڈیو اسٹیشن کے متعلق تحقیق سے یہ معلوم ہے کہ وہ رویت ہلال سے متعلق خبر دوسری خبروں کی طرح اپنے عام ذرائع معلومات کی بنا پر نشر نہیں کرتا بلکہ کسی معتبر دینی مرکز یا علماء کی کسی جماعت سے یا کسی قابل اعتماد رویت ہلال کمیٹی کے فیصلہ کی دی ہوئی اطلاع پر اسی کے حوالہ سے نشر کرتا ہے (جیسا کہ پاکستان کے ریڈیو اسٹیشن اور اسی طرح دہلی کے آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن اور پٹنہ ریڈیو اسٹیشن کے بارے میں معلوم ہوا ہے) تو اس کی یہ خبر قابل قبول ہوگی اور اس کی حیثیت فیصلہ کے صرف اعلان کی ہوگی، جیسا کہ مختلف زمانوں میں رویت ہلال کے ثبوت کے بعد مختلف طریقوں سے اس کا اعلان کیا جاتا رہا ہے۔ اور اب بھی کیا جاتا ہے اور ان اعلانوں کو عمل کیلئے کافی سمجھا جاتا ہے" (ماہنامہ الفرقان شمارہ اپریل ۱۹۸۷ء)

مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ نے اپنے بیان میں واضح کیا ہے۔:

"ریڈیو کے جس اعلان پر صوم یا افطار صوم کا حکم دیا جائے گا، اس کے لئے ضروری یہ ہے کہ تفصیل ہو اور ذمہ دار علماء کی طرف سے ہو، یا کم از کم ان ذمہ دار کے حوالے سے ہو کہ انہوں نے باضابطہ شرعی شہادت لے کر چاند کے ہو جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ مثلاً کوئی مسلمان ریڈیو اسٹیشن سے یہ اعلان کرے کے ہمارے شہر کی فلاں ذمہ دار ہلال کمیٹی، یا جماعت علماء، یا قاضی شریعت (بتصریح نام) نے یہ ثبوت شرعی کے بعد رویت ہلال کا اعلان کر دیا ہے۔ اس طرح کی صراحت کے ساتھ اعلان پر صوم اور افطار صوم درست ہے۔"

ریڈیو پر اعلان کرنے والا اگر کوئی متدین مسلمان نہ ہو بلکہ غیر مسلم ملازم ہو اور وہ

کسی ذمہ دار ہلال کمیٹی یا جماعت علماء یا قاضی شریعت (بتصریح) کے فیصلہ کا اعلان کرے تو بھی یہ خبر قابل تسلیم ہوگی اور صوم و افطار صوم کا حکم درست ہوگا، جس طرح توپ کی آواز اور ڈھنڈورچی کے اعلان پر فقہاء صوم و افطار صوم جائز قرار دیتے ہیں۔"

ہلال کمیٹیوں کے طریقہ کار میں تبدیلی کی ضرورت

جہاں تک ممبئی کی جامع مسجد ہلال کمیٹی کا تعلق ہے وہ اپنے فیصلہ کا اعلان تو ریڈیو سے کراتی ہے، تا کہ لوگ اس کی خبر پر یقین کریں۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ وہ دوسرے شہروں کی ہلال کمیٹیوں کے فیصلوں کی خبریں جس کو آل انڈیا ریڈیو نشر کرتا ہے، اپنے لئے سرے سے قابلِ قبول ہی نہیں سمجھتی۔ اس کے نزدیک تو جب تک عینی شاہدان کی مجلس میں حاضر ہو کر یہ گواہی نہ دیں کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے، ٹیلیفون کے ذریعے ملنے والی اطلاع یا ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعہ نشر ہونے والی خبریں، خواہ وہ کتنے ہی اہتمام کے ساتھ دی گئی ہوں لائق توجہ نہیں ہیں۔ یہ طریقہ موجودہ حالات میں جب کہ ایک جگہ کی خبریں دنیا میں آناً فاناً پہنچ رہی ہیں، نہ معقول ہے اور نہ دینی مصالح کے مطابق۔ موجودہ حالات میں اس حد تک اجتہاد ناگزیر ہے جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ اگر ہلال کمیٹیاں اجتہادی بصیرت سے کام لینے کے لئے تیار نہیں ہیں تو ان کا بے اثر ہونا یقینی ہے۔

علم ہیئت کی رو سے نا قابلِ انکار حقیقتیں

علم ہیئت کے ذریعہ سورج کے طلوع و غروب کے جو اوقات معلوم کئے جاتے ہیں وہ ایسے قطعی ہوتے ہیں کہ چند سکنڈ کا بھی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اسی لئے نماز اور روزہ کے

اوقات کا تعین جنتری کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ چاند کے معاملہ میں جہاں تک اس کی گردش اس کی گھٹتی بڑھتی شکلوں اور اسکے طلوع وغروب کے اوقات کا تعلق ہے، علم ہیئت کے ذریعہ حاصل ہونے والی معلومات بالکل صحیح ہوتی ہیں۔ اس لئے اگر یہ معلوم ہوجائے کہ فلاں دن چاند قِران میں ہے (یعنی چاند اور سورج جمع ہوگئے ہیں) یا قِران کے بعد چاند سورج سے اتنے کم فاصلہ پر ہے کہ اس کا دکھائی دینا محال ہے، ایسی صورت میں اگر کوئی شخص یہ شہادت دیتا ہے کہ اس نے چاند دیکھا ہے، تو اس یقینی علم کے پیش نظر اس کی شہادت کے قبول کرنے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ایسی شہادت کو اس بات پر محمول کرنا ہوگا کہ دیکھنے والے کو چاند کا وہم ہوا ہے، ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ علم ہیئت کا سارا حساب ہی غلط ہے، جب کہ تجربہ اس کی صحت پر دلیل ہے۔ مثال کے طور پر چاند گہن کا جو وقت جنتری بتاتی ہے ٹھیک اسی وقت گہن لگتا ہے۔ اس میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ چاند اور سورج ایک جگہ (ایک ہی ڈگری) پر ہوں اور رویت ہلال کی شہادت مل جائے۔ علامہ رشید رضا نے ایک عجیب وغریب واقعہ نقل کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سال کا واقعہ ہے کہ میں نے سورج کو گہن کی حالت میں غروب ہوتے ہوئے۔ دیکھا اس کے بعد دو اشخاص نے جن کے بارے میں خیال کرتا ہوں کہ وہ عادل ہوں گے، قاضی کے پاس آکر یہ شہادت دی کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے۔ ان کی شہادت کو قاضی نے قبول کرلیا اور لوگوں نے روزہ رکھا۔ حالانکہ اس میں شک نہیں کہ وہ اپنی شہادت میں جھوٹے تھے کیونکہ سورج کے گہن کی حالت میں غروب ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ چاند بھی سورج کے ساتھ غروب ہوگیا۔ رہے شہادت دینے والے تو میں نے اس کی یہی توجیہ کی کہ انہیں یہ خیال ہوگیا کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے اور وہم کی بنا پر شہادت دی۔ (فتاویٰ امام رشید رضا ج ۱ ص ۴۶)

چاند اپنی گردش ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ اور ۳ سکنڈ میں پوری کر کے سورج سے جا ملتا ہے۔ چاند اور سورج کا یہ اجتماع قِران (Conjuction) کہلاتا ہے۔ اس وقت چونکہ چاند کے اس رُخ پر جس کو ہم دیکھتے ہیں سورج کی روشنی نہیں پڑتی اس لئے وہ بالکل تاریک ہوتا ہے۔ اور اس قابل نہیں ہوتا کہ کوئی اسے دیکھ سکے۔ یہ قِران ایک لحظہ کیلئے ہوتا ہے اور پوری دنیا کیلئے اس کا وقت ایک ہی ہوتا ہے۔ البتہ ہر ملک کیلئے وہاں کے وقت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے مثال کے طور پر اگر ممبئی میں شام کے سات بجے قِران ہو رہا ہو تو اس وقت سعودی عرب میں شام کے ساڑھے چار بج رہے ہوں گے، مصر میں دوپہر کے ساڑھے تین، لندن میں دوپہر کا ڈیڑھ، واشنگٹن میں صبح کے ساڑھے آٹھ، انڈونیشیا میں رات کے نو اور جاپان میں رات کے ساڑھے دس بج رہے ہوں گے۔ قِران کے بعد چاند سورج کے مغربی جانب سے مشرقی جانب گردش کرنے لگتا ہے اور جیسے ہی اس کی نئی گردش کا آغاز ہوتا ہے، سورج کی شعاعیں اس پر پڑنے لگتی ہیں۔ فلکی (Astronomical) اصطلاح میں اسے نیومون (New Moon) یعنی نئے چاند سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نیومون اس قابل نہیں ہوتا کہ اسے کوئی دیکھ سکے، البتہ سورج سے اس کا فاصلہ بڑھ جاتا ہے تو وہ دیکھنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ بالعموم وہ ہلال کی صورت میں دوسرے دن ہی دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اگر صبح میں نیومون ہوا ہو، تو کم از کم آٹھ گھنٹے گذر جانے پر شام کے وقت بعض ممالک میں اسکے دکھائی دینے کا کسی قدر امکان ہوتا ہے۔ چاند ایک دن میں سورج سے ۱۲ ڈگری فاصلہ طے کرتا ہے۔ یعنی ایک گھنٹہ میں نصف ڈگری۔ اگر چاند سورج سے ۴ ڈگری یعنی ۸ گھنٹے کے فاصلے سے کم ہو تو اس کا دکھائی دینا ناممکن ہے، کیونکہ سورج سے قریب ہونے کی وجہ سے اس کی تیز شعاعیں نگاہوں کو متاثر کردیتی ہیں۔ اور جب جیسے جیسے یہ فاصلہ بڑھتا جاتا ہے، رویت

کا امکان بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ جب فاصلہ ۱۰ ڈگری سے زیادہ ہوجاتا ہے۔ یعنی ۲۰ گھنٹے گذر چکے ہوتے ہیں تو اس کے دکھائی دینے کے امکانات روشن ہوجاتے ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ بعض اسلامی ممالک میں رویت ہلال کا اعلان بعض اوقات ایسی صورت میں کردیا جاتا ہے جب کہ علم ہیئت کی رو سے نیومون (New Moon) کا سرے سے وجود ہی نہیں ہوتا، یعنی ابھی چاند کا نیا چکر شروع بھی نہیں ہوا اور ہلال بن کر دکھائی دیا۔ یہ دو متضاد باتیں ہیں جن کا جمع ہونا کسی طرح ممکن نہیں۔ جب نیا چاند پیدا ہی نہیں ہوا تھا تو دکھائی کس طرح دیا؟ اگر شاہد جھوٹے نہیں ہیں تو رویت میں وہم کا دخل ضرور ہو سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جب رویت عام نہ ہو، اور ایک یا چند گواہوں کے بیان پر رویت کا فیصلہ کیا جارہا ہو، تو ان قطعی معلومات کو سامنے رکھا جائے جو علم الافلاک (Astronomy) کے ذریعہ حاصل ہورہی ہیں۔ اور اس قدر عام ہوگئی ہیں کہ روزانہ اخبارات میں چاند کے طلوع اور غروب کے اوقات دیکھے جاسکتے ہیں۔ اور جہاں چاند کے دکھائی دینے کا سرے سے امکان ہی نہ ہو وہاں محض گواہی کی بنیاد پر فیصلہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ ایسے فیصلے کو حقیقتِ واقعہ کے خلاف ہونے کی بنا پر عقل عام (Common Sense) قبول نہیں کرسکتی۔ نتیجہ یہ کہ اس طرح کا فیصلہ کرنے والوں کی سبکی ہوتی ہے۔

قدیم زمانہ میں جب کہ چاند کے طلوع وغروب کے اوقات منضبط شکل میں لوگوں کے سامنے موجود نہیں تھے گواہی کو کافی خیال کیا جاتا تھا۔ مگر موجودہ دور میں جب کہ سُورج اور چاند کے طلوع وغروب کے اوقات سکنڈ کی حد تک منضبط شکل میں ہر خاص وعام کے سامنے موجود ہیں، اس حد تک ان کی رعایت ضروری ہے کہ ایسی شہادت جو خلافِ واقعہ ہو تسلیم نہ کی جائے۔

العذب الزلال کے مؤلف لکھتے ہیں۔

''یہ ایک معلوم ومتعین بات ہے کہ شہادت جب کسی ایسی چیز کی دی گئی ہو جو عقلاً یا عادۃً محال ہو، تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ رد کر دیا جائے گا۔''

(العذاب الزلال ص ۳۸۰)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ قمری ماہ کے آغاز کیلئے رویت کو نہیں، فلکی حساب کو بنیاد بنایا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ فیصلہ تو رویت ہی کی بنیاد پر کیا جائے۔ لیکن جب رویت عام نہ ہو اور ایک یا چند شہادتوں کی بنیاد پر رویت کا فیصلہ کرنا پڑ رہا ہو، تو ان شہادتوں کو قبول کرنے سے پہلے یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ قرائن اس کے خلاف تو نہیں ہیں یعنی ایسا تو نہیں ہے کہ ابھی نئے چاند کا چکر شروع ہی نہیں ہوا، اور نیومون نے جنم ہی نہیں لیا یا نیومون کو جنم لئے ہوئے ابھی آٹھ گھنٹے بھی نہیں گذرے ہیں، جو رویت کے لئے کم از کم حد ہے اور یہ لوگ گواہی دے رہے ہیں کہ انہوں نے ہلال دیکھ لیا ہے۔ ایسی صورت میں چاند کی رویت کے محال ہونے کے بنا پر شہادتوں کو قبول نہیں کرنا چاہیئے۔ البتہ رویت عام ہونے کی صورت میں کسی تفصیل میں جانے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا، کیونکہ عام مشاہدہ خلاف واقعہ بات کا ہو ہی نہیں سکتا۔

رویت کا غلط یقین کرنے کی واضح مثال (۱۳۹۸ھ) کا واقعہ ہے۔ ۲۷ مئی ۱۹۷۸ء کو بمبئی میں رمضان کی ۲۹ تاریخ تھی۔ اس روز فلکیاتی حساب سے چاند کے نئے چکر کا آغاز (نیومون) رات کے ۸ بج کر ۴۳ منٹ پر ہوا تھا، اور دہلی میں سورج ۷ بج کر ۱۰ منٹ ۶ سکنڈ پر غروب ہو رہا تھا۔ مگر دہلی میں رویت ہلال کا اعلان ہوا اور ۲۸ مئی ۱۹۷۸ء کو عید منائی گئی، جب کہ فلکیاتی حساب سے ۲۷ مئی کو مغرب کے وقت نیا چاند وجود ہی میں نہیں آیا تھا، پھر اُسے ہلال کی شکل میں کس طرح دیکھا گیا؟

سورج سے چاند کے ۴ ڈگری سے زائد فاصلہ پر ہونے، یعنی نیومون کے پیدا ہوجانے پر آٹھ گھنٹے سے زیادہ وقت گذرنے کے بعد اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ چاند دکھائی دے۔مگر اس کا ہر جگہ نظر آنا ضروری نہیں کیونکہ اس سلسلے میں کچھ دوسری چیزیں بھی اثر انداز ہوتی ہیں مثلاً:

ا۔ چاند کے غروب کا وقت

اگر سورج کے غروب کے بعد چاند دیر تک رہتا ہے تو اس کے نظر آنے کے امکانات قوی ہوتے ہیں، ورنہ شفق کی تیز روشنی رکاوٹ بن جاتی ہے۔

چاند کے غروب کے اوقات میں بھی ایک ملک اور دوسرے ملک کے درمیان طول البلد کے حساب سے فرق واقع ہوتا ہے۔ ہر ۱۵ طول البلد پر مغربی جانب چاند دو منٹ تاخیر سے غروب ہوتا ہے۔

۲۔ فضاء کا ابر آلود یا مکدر ہونا

چاند کے قابل رویت ہونے کی صورت میں جس مقام کی فضاء مکدر ہوگی وہاں دکھائی نہیں دے گا۔

۳۔ عرض البلد کا فرق

یہ بات بھی واضح رہے کہ چاند جب ایک مقام پر دکھائی دیتا ہے تو اس عرض البلد پر واقع مغربی جانب کے تمام مقامات کیلئے وہ قابل رویت ہوتا ہے لیکن دوسرے عرض البلد پر واقع مقامات کیلئے اس کا قابل رویت ہونا ضروری نہیں۔

۴۔ مشرق کا چاند مغرب کیلئے قابلِ قبول

مشرق میں جب چاند دیکھا جائے تو مغرب میں اس کا طلوع لازم ہے۔لیکن مغرب میں دکھائی دینے کی صورت میں مشرق میں اس کا طلوع ضروری نہیں۔ دہلی اور پٹنہ ممبئی کے مشرق میں ہیں اس لئے اگر دہلی پٹنہ میں رویت ہوئی تو ممبئی میں اس کا طلوع لازمی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ابر وغیرہ کی وجہ سے ممبئی میں چاند نہ دکھے۔

یہ بھی واضح رہے کہ اہل ہیئت کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ چاند سورج سے کتنے درجہ کی دوری پر ہونے کی صورت میں قابلِ رویت ہوتا ہے، لیکن چار درجہ کم کا فاصلہ ہونے کی صورت میں اس کے قابلِ رویت ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں۔اس لئے ہم نے چار درجہ یعنی قِران کے بعد آٹھ گھنٹے گذر جانے کو قابل رویت ہونے کی کم سے کم حد تسلیم کرلیا ہے۔

اسی طرح اہلِ ہیئت کے نزدیک رویت کیلئے چاند کا غروب آفتاب کے بعد کم از کم پندرہ منٹ تک باقی رہنا (یعنی غروب نہ ہونا) ضروری ہے۔(ملاحظہ ہو العذب الزلال ص۷۸۲)

اوپر علم ہیئت کے تعلق سے جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کے خلاف ممکن ہے اس حدیث سے استدلال کیا جائے جس میں فرمایا گیا:

إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ اَلشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا يَعْنِيْ مَرَّةً تِسْعَةً وَعِشْرِيْنَ وَمَرَّةً ثَلَاثِيْنَ۔ (بخاری کتاب الصوم)

"ہم اُمّی لوگ ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ حساب کرنا۔مہینہ اس طرح اور اس طرح ہوتا ہے یعنی کبھی انتیس کا اور کبھی تیس کا۔"

تو واقعہ یہ ہے کہ اس وقت عرب حساب کتاب سے نابلد تھے۔ ان میں ایسے لوگ بہت کم تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں۔ اس لئے ان پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی گئی کہ وہ پہلے ہیئت دانوں سے چاند کے طلوع وغروب کا حساب معلوم کرلیں، اوراس کے بعد تاریخ کا تعین کریں۔ بلکہ اس سادہ سی صورت پر اکتفاء کیا گیا کہ رویت ہونے پر نئے ماہ کا آغاز کیا جائے ورنہ مہینہ تیس دن کا شمار کرلیا جائے۔

اب اگر موجودہ دور کی امتِ مسلمہ بھی اُمّی ہواور پڑھنا لکھنا نہ جانتی ہو تو اس سے بھی شریعت کا مطالبہ اتنا ہی ہوگا۔ لیکن اللہ کے فضل سے امت مسلمہ میں اب پڑھے لکھے لوگوں کی کمی نہیں رہی تعلیم کے عام ہوجانے اور سائنس اور جغرافیائی معلومات سے لوگوں کے آشنا ہونے کی بنا، پر آفتاب وماہتاب کے طلوع وغروب کے اوقات جن کا قطعی ہونا تجربہ سے ثابت ہوگیا ہے، ان کے علم میں آتے رہتے ہیں۔ پھر ایک قطعی بات کے خلاف عمل کرنے کیلئے ان کے پاس کیا وجہ جواز ہے؟ حدیث کا منشاء یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ایک بات آپ کو یقینی طور سے معلوم ہوجائے اور آپ اُسے رد کردیں۔ اگر اس زمانہ میں لوگوں کے لئے یقینی علم حاصل کرنے کے ذرائع مسدود تھے تو موجودہ زمانہ میں مسدود نہیں ہیں۔ اس لئے ان کا عذر معقول تھا جس کی بنا پر رعایت بھی ضروری تھی۔ مگر ہمارے لئے کیا عذر ہے؟ مزید برآں حدیث میں نہ حساب کی مذمت کی گئی ہے، اور نہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس سے کسی حال میں استفادہ نہ کیا جائے۔ بلکہ مہینہ کے آغاز کیلئے رویت کو معتبر قرار دیتے ہوئے اس کی ایک مصلحت یہ واضح کی گئی ہے کہ رویت کا طریقہ ہی لوگوں کے لئے آسان ہے۔ کیونکہ اس میں حساب کتاب کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور یہ سہولت جس طرح چاند کے بارے میں دی گئی ہے اسی طرح سورج کے بارے میں بھی دی گئی ہے۔ چنانچہ شریعت نے نماز کے اوقات کو آسمان پر ظاہر ہونے والے آثار سے

متعلق کردیا ہے۔ اور سورج کے طلوع وغروب کے اوقات کو ہیئت دانوں سے معلوم کرنے کی کوئی ہدایت نہیں دی۔ مگر پھر بھی ہم ان کے اوقات جنتری میں تلاش کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان سے استفادہ کرنے میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے۔

رویت کے سلسلہ میں اسلامی حکومتوں کے فیصلوں کی پابندی

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ رویت ہلال کے مسئلہ میں اصولی طور پر صحیح موقف اختیار کرنے کے تعلق سے تھا، جس کی ذمہ داری ملت اسلامیہ پر اور خاص طور سے اصحاب امر اور اسلامی حکومتوں پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی اسلامی حکومت اجتہاد کی غلطی یا اپنی بے تدبیری کی بنا پر رویت کا غلط فیصلہ کرتی ہے تو اس کی ذمہ دار وہ خود ہے۔ اور اس معاملہ میں اس کی غلطی اس پر واضح بھی کرتے رہنا چاہیئے، تاکہ آئندہ وہ صحیح تدابیر اختیار کرے۔ لیکن ایک اسلامی حکومت کے ایسے فیصلہ کو جس کا تعلق اجتماعی عبادات سے ہے عملاً تسلیم کرنا ہوگا۔ اور لوگوں کی عبادتیں اپنی اپنی نیت کے مطابق ادا ہوجائیں گی، اگرچہ واقعہ کے اعتبار سے وہ عید یا حج کا دن نہ ہو، مگر غلط شہادتوں کی بنا پر عید یا حج کی تاریخوں کا تعین کرلیا گیا ہو۔ کیونکہ عید کی نماز جماعت کے ساتھ ہی پڑھی جائے گی اور حج تو حکومت کے زیر اہتمام ہی انجام پائے گا۔ لہٰذا چاند کے مسئلہ میں اس حد تک الجھنا صحیح نہ ہوگا کہ اس کا اثر حج پر پڑے۔ اور ایک اسلامی حکومت کے لئے ـــ جس درجہ کی بھی وہ اسلامی حکومت ہو مسئلہ کھڑا کردیا جائے۔ اگر کسی کا احساس یہ ہو کہ رویت کا فیصلہ غلط ہوا ہے اور آج ذی الحجہ کی ۹ نہیں بلکہ ۸ تاریخ ہے، تب بھی اسے وقوفِ عرفہ اسی دن کرنا ہوگا، جس دن کہ سب لوگ وقوف کریں گے۔

ابوداؤد نے اپنی سنن میں باب باندھا ہے اِذَا اَخْطَأَ الْقَوْمُ الْهِلَالَ ”جب لوگ

ہلال کے مسئلہ میں غلطی کریں۔'' اوراس کے تحت یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

وَفِطْرُكُمْ يَوْمَ تُفْطِرُوْنَ وَاَضْحَاكُمْ يَوْمَ تُضَحُّوْنَ ۔ (ابوداؤد کتاب الصیام)

'' تمہاری عیدالفطر اس دن ہے جس دن تم عیدالفطر مناتے ہواور تمہاری قربانی اس دن ہے جس دن تم قربانی کرتے ہو۔''

امام خطابی کہتے ہیں:

'' حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اجتہاد کی صورت میں جو غلطی ہوجائے وہ لوگوں کے لئے قابلِ درگذر ہے۔ اگر کسی گروہ نے چاند دیکھنے کی کوشش کی مگر تیس تاریخ سے پہلے چاند دکھائی نہیں دیا۔ اس لئے تیس روزوں کی تعداد مکمل کر کے عید منائی اوراس کے بعد ان کے نزدیک یہ بات ثابت ہوگئی کہ مہینہ ۲۹ ہی کا تھا، تو ان کا روزہ اوران کے بارے میں جو کچھ ہو چکا ان پر نہ کوئی گناہ ہے اور نہ ملامت۔ اسی طرح اگر انہوں نے حج کے موقعہ پر عرفات کے دن کے معاملہ میں غلطی کی تو ان پر دوبارہ حج کرنا واجب نہ ہوگا۔ اور ان کی قربانیاں ادا ہوجائیں گی ۔ یہ اللہ سبحانہ کی طرف سے اپنے بندوں کے حق میں تخفیف اورنرمی ہے۔'' (عون المعبود ج ۶ ص ۴۴۲)

اورعلامہ ابنِ تیمیہ فرماتے ہیں:

'' اگر لوگ غلطی سے دس تاریخ کو عرفات میں وقوف کریں، تو سب کا اتفاق ہے کہ ان کا وقوف ادا ہوجائے گا اور وہی دن ان لوگوں کے حق میں عرفات کا دن ہوگا۔ اور اگر غلطی سے آٹھ تاریخ کو وقوف کریں تو اس کی ادائیگی کے بارے میں اختلاف ہے، اور زیادہ واضح بات یہی ہے کہ وقوف صحیح ہوگا۔'' (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۵ ص ۲۰۲)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

'' لیکن قربانی کے مہینہ کے بارے میں مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے یہ بات کہی ہو کہ جس شخص نے چاند دیکھا ہو وہ تمام حاجیوں کو چھوڑ کر (عرفات میں) تنہا وقوف کرے اوردوسرے دن قربانی اور جمرۂ عقبہ کی رمی کر کے تنہا احرام اتار دے۔'' (ایضاً ص ۱۱۶)

مطلب یہ ہے کہ حج اجتماعی طور پر ہی ادا کیا جائے گا۔ کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ رویت میں اختلاف کی بنا پر تنہا وقوف کرے اور حج کے دوسرے مناسک ادا کرے۔

ایک مقام کی رویت کی خبر دوسرے مقامات کیلئے معتبر

رہا ہمارے ملک کا مسئلہ، تو یہاں نہ اسلامی حکومت ہے اور نہ مسلمانوں کی کوئی مرکزیت ہے۔ جو مقامی ہلال کمیٹیاں ہیں وہ عام طور پر جمود کا شکار ہیں۔ وہ نہ حالات کو سمجھتی ہیں اور نہ ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ایسی صورت میں اگر کسی مقام پر عام رویت ہوجاتی ہے یا شہادتوں کی بنا پر کوئی رویت ہلال کمیٹی رویت کا فیصلہ کرتی ہے اوراس کی خبر ریڈیو یا ٹیلی ویژن کے ذریعے دوسرے مقامات کے لوگوں کو ملتی ہے اور بظاہر اس خبر میں کوئی احتمال نہیں ہے، تو لوگوں کیلئے اس کو قبول کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اگر پٹنہ میں عام رویت ہوجائے یہ شہادتوں کی بنا پر امارت شرعیہ بہار جو ایک ذمہ دار ادارہ ہے رویت کی خبر کو ریڈیو یا ٹیلیویژن کے ذریعہ نشر کراتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ممبئی کے مسلمان اس خبر کو قبول نہ کریں۔

زیر اہتمام: محمد صدیق قریشی
Pixel Arts
Mobail: 9820790615
Printed at : Fatima Printers
Tilak Nagar, Saki Naka Mumbai 400070